

اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر

(۴)

روزہ

ضبط نفس | اس نزہت کے مناظر میں کسنے کے لیے صرف دو خواہشوں کو منتخب کیا گیا ہے، یعنی منہوت شکم اور منہوت فرج۔ اور ان کے ساتھ ایک تیسری خواہش — آرام لینے کی خواہش — بھی زور میں لگی ہے کیونکہ نراؤح کے قیام اور سحری کے لیے آخر شب میں مزے کی نیند توڑ کر اٹھنے کی وجہ سے اس پر بھی اچھی خاصی ضرب پڑتی ہے۔

حیوانی زندگی کے مطالبات میں نیز میں مطالبے اصل و بنیاد کا حکم رکھتے ہیں۔ بقائے نفس کے لیے غذا کا مطالبہ۔ بقائے نوع کے لیے صنف مقابل سے انصال کا مطالبہ اپنی کھولی ہوئی طاقوں کو بحال کرنے کے لیے آرام کا مطالبہ۔ انہی تین ضرورتوں کا تقاضا تمام حیوانی خواہشات کا مدار اور تمام حیوانی اعمال کا محرک ہے، اور یہ تقاضا اتنا طاقتور ہے کہ حیوان جو کچھ کرتا ہے اسی کے زور سے مجبور ہو کر کرتا ہے۔ انسان کو ضد متنگار اور آلہ کار کی حیثیت سے جو بہترین ساخت کا حیوان دیا گیا ہے، اُس کے

بنیادی مطالبات بھی یہی تین ہیں۔ اور چونکہ وہ تمام حیوانات سے زیادہ اونچی قسم کا حیوان ہے اس لیے اس کے مطالبات اُن سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ وہ صرف زندہ رہنے کے لیے غذا ہی نہیں مانگتا بلکہ اچھی غذا مانگتا ہے، طرح طرح کی مزے دار غذا میں مانگتا ہے، اندائی مواد کی نئی نئی ترکیبوں کا مطالبہ کرتا ہے، اور اس کے اس مطالبہ میں سے اتنی شاخیں نکلتی چلی جاتی ہیں کہ اسے پورا کرنے کے لیے ایک

دنیا کی دنیا دگر ہوتی ہے۔ وہ صرف بقائے نوع کے لیے منصف مقابل سے اتصال ہی کا مطالعہ نہیں کرتا بلکہ اس مطالعہ میں ہزار ہا کتبیں اور ہزار ہا ریکیاں پیدا کرتا ہے۔ نوع چاہتا ہے، حُسن چاہتا ہے، آرائش کے بے شمار سامان چاہتا ہے، طرب انگیز سماں اور لذت انگیز ماحول چاہتا ہے، غرض اس سلسلہ میں بھی اس کے مطالبات اتنی شاخیں نکالتے ہیں کہ کہیں جا کر ان کا سلسلہ رگنما ہی نہیں۔ اسی طرح اس کی آرا مطالعہ بھی عام حیوانات کے مثل صرف کھوئی ہوئی قوتوں کو بحال کرنے کی حد تک نہیں رہتی، بلکہ وہ بھی بے شمار شاخیں نکالتی ہے جن کا سلسلہ کہیں ختم نہیں ہوتا۔ وہ صرف کھوئی ہوئی طاقتوں کو بحال ہی نہیں کرنا چاہتا بلکہ چاہتا ہے کہ حتی الامکان قوتیں کھونے کی نوبت ہی نہ آنے پائے، مشقت سے بچے، چراتا ہے، محنت کے بغیر کام نکلنے کی کوشش کرتا ہے، طرح طرح کی تدبیریں اس غرض کے لیے نکالتا ہے کہ بلا محنت یا کم سے کم محنت سے مقصد برآی ہو جائے، اور خصوصاً ایسے مقاصد کے لیے محنت کرنے میں تو اس کی جان پریشانی ہے جو اس کے حیوانی مقاصد بالآخر بولیں۔ اس طرح ان میں ابتدائی خواہشوں سے خواہشات کا ایک لائن استہابی حال بن جاتا ہے جو انسان کی پوری زندگی کو اپنی لپیٹ میں لے لینا چاہتا ہے۔ پس دراصل انسان کے اس خادم اس منہ زور حیوان کے پاس یہی تین ہتھیار وہ سب سے بڑے ہتھیار ہیں جن کی طاقت سے وہ اُس کا خادم بننے کے بجائے خود اس کو اپنا خادم بنانے کی کوشش کرتا ہے اور ہمیشہ زور لگاتا رہتا ہے کہ اُس کے اور انسان کے تعلق کی نوعیت صحیح فطری نوعیت کے عکس ہو جائے، یعنی بجائے اس کے کہ انسان اُس پر سوار ہو، اُس وہ انسان پر سوار ہو کر اُس سے اپنی خواہشات کے مطابق کھینچے کھینچے پھرے۔ اگر انسان پوری قوت سے اُس پر اپنا اقتدار مسلط نہ کرے اور تیز زور اور وہ کی باگیں مصلیٰ چھوڑ دے تو بالآخر وہ اس پر غالب آجاتا ہے۔ پھر وہ اپنے خدمتگار کا غلام اور اس کا خدمتگار اُس کا آقا ہوتا ہے۔ علم اسماء کی جو محنت اللہ نے اس کو دی ہے، فکر و استدلال اور تسخیر و ایجاد کی جو

قابلیتیں اسے عطا کی ہیں وہ سب کی سب اُس اندھے جاہل، نادان جانور کی خدمت میں لگ جاتی ہیں۔ بلند یوں پڑاؤنے کے بجائے پستیوں میں اُترنے کے کام آتی ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے انسانی مقاصد کی حلیہ ذیل حیوانی مقاصد حاصل کرنے کا آلہ بن جاتی ہیں۔ ان کا کوئی مصرت اس کے سوا باقی نہیں رہتا کہ رات دن بس اسی حیوان کی خواہشات پوری کرنے کے لیے نئے نئے وسائل تلاش کرتی رہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ حیوان شترالدوب — تمام حیوانات سے بڑے قسم کا حیوان — بن کر رہ جاتا ہے بھلا جس حیوان کو اپنی خواہشات پوری کرنے کے لیے انسان جیسا خادم مل جائے اُس کے شر کی بھی کوئی حد ہو سکتی ہے! جس بیل کی بھوک کو بھری بیڑا بنانے کی قابلیت میسر آجائے زمین کی کس چلا گاہ میں اتنا بل بوتہ ہے کہ اس کے معاشی مفاد کی لپیٹ میں آنے سے بچ جائے؟ جس کتے کی حرص کو ٹینک اور ہوائی جہاز بنانے کی قوت مل جائے کس بوٹی اور کس ہڈی کا پار ہے کہ اس کی کھلیوں کی گرفت میں آنے سے انکار کر دے، جس بھیرے کو اپنے جنگل کے بھیرے کی قومیت بنانے کا سلیقہ ہو اور جو رپس اور پرو سپنڈ اسے لے کر لمبی مار کی توپوں تک سے کام لے سکتا ہو زمین میں کہاں اتنی گنجائش ہے کہ اس کے لیے کافی LEBENSRAUM فراہم کر سکے؟ جس بکمرے کی مشورت ناول، ڈراما، تصویر، موسیقی، رقص، ایکٹنگ اور حسن افزائی کے وسائل ایجاد کر سکتی ہو، جس میں بکریوں کی تربیت کے لیے کالج، کلب، ہنمستان تک پیدا کرنے کی زیادت ہو، اس کی داد عیشین کے لیے کون حد و انتہا مقرر کرنے کا ذمہ لے سکتا ہے؟

ان پستیوں میں گرنے سے انسان کو بچانے کے لیے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ اس کے سامنے انسانی زندگی کا اصلی نصب العین پیش کیا جائے اور اسے انسانی قوتوں کا صحیح مصرف بتایا جائے، بلکہ اس کے سامنے بھی ضروری ہے کہ اس حیوان کے ساتھ اُس کے تعلق کی جو فطری نوعیت ہے اس کو عملاً قائم کیا جائے اور مشق و تمرین کے ذریعہ سے سوار کو اتنا چُست کر دیا جائے کہ وہ اپنی سواری پر چم کر بیٹھے

ارادے کی باگین مضبوطی کے ساتھ تھامے، اور اس پر اتنا قابو یافتہ ہو کہ اس کی خواہشات کے پیچھے خود نہ چلے بلکہ اپنے ارادے کے مطابق اسے سیدھا سیدھا چلائے۔ اس حیوان کو خدانے اس لیے ہمارے سپرد کیا ہے کہ ہم اس سے کام لیں اور اس کو اپنی زندگی کے مقصد تک پہنچنے کا ذریعہ بنائیں۔ اس کا دماغ ہمارے لیے فکر کرنے کا وسیلہ ہے۔ اس کے آلات حواس ہمارے لیے علم حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں ہمارے لیے سہی ڈال کرنے کے آلات ہیں جتنی چیزیں خدانے اس دنیا میں ہمارے لیے مسخر کی ہیں ان میں سب سے زیادہ کارآمد چیز یہی حیوانی جسم ہے۔ اس کے اندر جتنی فطری خواہشات ہیں وہ سب اس کی حقیقی ضرورتوں سے تعلق رکھتی ہیں جن کو پورا کرنا ہمارا ذمہ ہے۔ ہم پر اس کا حق ہے کہ اسے آرام سے رکھیں، اس کو قوت بخش غذا دیں، بقائے نوع کے لیے اس کی طلب کو پورا کریں، اور اسے خواہ مخواہ صنائع نہ کر دیں۔ لیکن بہر حال یہ ہماری اور ہمارے مقصد زندگی کی خدمت کے لیے ہے نہ کہ ہم اس کی اور اس کے مقصد زندگی کی خدمت کے لیے۔ اس کو ہمارے ارادے کے تابع ہونا چاہیے نہ کہ ہمیں اس کی خواہشات کے تابع۔ اس کا یہ مزہ نہیں ہے کہ ایک فرمانروا کی طرح اپنی خواہشات ہم سے پوری کرائے بلکہ اس کا صحیح مرتبہ یہ ہے کہ ایک غلام کی طرح ہمارے سامنے اپنی خواہشات پیش کرے اور یہ ہماری تمیز دار و ترسبیت یافتہ خودی کا کام ہے کہ اس کی جس درخواست کو جب اور جس طرح مناسب سمجھیں پورا کریں یا رد کر دیں۔

روزے کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد انسان کو اس کے حیوانی جسم پر اپنی اقتدار بخشنا ہے۔ جوتین خواہشیں تمام حیوانی خواہشات کا مدار ہیں، جوتین ہتھیار اس حیوان کے پاس ایسے طاقتور ہیں کہ ان کے زور سے یہ ہمیں اپنا مطیع بنانے کے لیے اٹھتا ہے، روزہ انہی تینوں کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور اس کے منہ میں مضبوط لگام دے کر اس کی راسخیں ہماری اس خودی کے ہاتھ میں دے دیتا ہے جو خدا پر ایمان لائی ہے اور اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے کا عزم رکھتی

ہے۔ اُس وقت اس جانور کی لیے بھی دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ صبح سے شام تک یہ داز پانی مانگتا رہتا ہے اور ہم اس کو کچھ نہیں دیتے۔ یہ پانی کی طرف لپکنا چاہتا ہے مگر ہم باگیں کھینچ لیتے ہیں۔ یکھانا دیکھ کر اس پر بدنہ مارنا چاہتا ہے مگر ہم اسے جنبش نہیں کرنے دیتے۔ یہ کہتا ہے اچھا سگرٹ، ہفت پان کسی چیز سے تو مجھے اپنی آگ بجھالینے دو مگر ہم اس کی ہر درخواست رد کر دیتے ہیں۔ یہ اپنے جوتے کو دیکھ کر اس کی طرف دوڑتا ہے اور ملاعبت شروع کر دیتا ہے، مگر جہاں تسکین نفس کا سوال بیچ میں آیا اور ہم نے نگام کھینچی۔ اس طرح دن بھر اس کی خواہشوں کو ٹھکانے کے بعد ہم اپنے مالک کے مقرر کیے ہوئے وقت پر اسے چار دپانی دیتے ہیں۔ اب یہ تمھارا چاہتا ہے کہ ذرا آرام لے۔ مگر عشا کی اذان سنتے ہی ہم کان پکڑ کر اسے سیدھا اٹھا کھڑا کرتے ہیں اور مسجد کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ دوسرے دنوں میں تو اسے عشا کے وقت تھوڑا ہی قیام کرنا پڑتا تھا۔ رمضان میں معمولی نماز کے علاوہ تراویح کی غیر معمولی رکعتوں کے لیے بھی ہم اسے کھڑا رکھتے ہیں۔ اس رگید سے نکل کر بے چارہ سونے کے لیے دوڑتا ہے اور چاہتا ہے کہ بس صبح کی خبر لائے مگر رات کے پچھلے پہر میں جبکہ اس کا رُوں رُوں مٹھی نیند کے نشے میں سرشار ہوتا ہے، ہم ایک چابک ایسا رسید کرتے ہیں کہ سارا نشہ ہرن ہو جاتا ہے پھر ہم کہتے ہیں کہ ہمارا مالک کا حکم دن کے بجائے اس وقت مجھے داز پانی دینے کا ہے لہذا جو کچھ کھانا چاہتا ہے اب کھالے۔

میرشت ہے جو ہمیں ہر سال تیس دن تک کرائی جاتی ہے تاکہ اپنے اس خادم پر ہمیں پورا اقتدار حاصل ہو جائے۔ اس سے ہم اپنے جسم اور جسمانی قوتوں کے باعتبار حاکم بن جاتے ہیں۔ حیوانی خواہشات کی جاہلانہ تفرمانی ختم ہو جاتی ہے۔ ہم میں اتنی طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ اپنی جس خواہش کو جس حد پر چاہیں روک دیں، اور اپنی جس قوت سے جس طرح چاہیں کام لے سکیں۔ وہ شخص جسے اپنی خواہشات کا مقابلہ کرنے کی کبھی عادت ہی نہ رہی ہو، جو نفس کے ہر طالعہ پر بے چون و چرا سر جھکا دینے کا جو گروا ہو، اور جس کے لیے حیوانی حیثیت کا ہر داعیہ ایک فرمان واجب الاذعان کا حکم رکھتا ہو، ان میں کوئی

بڑا کام نہیں کر سکتا۔ بڑے درجہ کے کام انجام دینے کے لیے بہر حال آدمی کی خودی میں انسابل ہوتا ہونا چاہیے کہ وہ نفس کی خواہشات کو اپنے قابو میں رکھ سکے اور ان قوتوں کو جو اللہ نے اس کے نفس و جسم میں دو لیت کی ہیں اپنے ارادے کے مطابق استعمال کر سکے۔ اسی لیے رمضان کے فرض روزوں کے علاوہ سال کے دوران میں کبھی کبھی نفل روزے بھی رکھنے کو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے تاکہ اس اقتدار کی گرفت مضبوط ہوتی لیکن بہت فرق۔۔۔۔۔ اصولی اور سبوری فرق۔۔۔۔۔ ہے اس اقتدار میں جو اسلامی روزہ انسان کی خودی کو اس کے نفس و جسم پر دیتا ہے، اور اس اقتدار میں جو غیر اسلامی طرزِ نفسِ مشی کی مشقوں یا قوتِ ارادی کو نشوونما دینے کی ورزشوں سے حاصل کیا جاتا ہے، یا جو فطری طور پر بڑے آدمیوں کو خود بخود حاصل ہوتا ہے۔ یہ دوسری قسم کا اقتدار تو دراصل ایک ایسی جاہل، مطلق العنان خودی کا استبداد ہے جو اپنے سے بالاتر کسی حاکم کی مطیع، کسی ضابطہ و قانون کی پابند اور کسی علم صحیح کی متبع نہیں ہے۔ اس کو اپنی جسمانی اور نفسانی قوتوں پر جو فرمانروائی حاصل ہوتی ہے، لازم نہیں، بلکہ ممکن نہیں کہ وہ اسے صحیح مقصد کے لیے اور صحیح طریقہ پر استعمال کرے۔ دنیا میں سنیاں، ربانیت اور ترک لذات کی بیماریاں اسی نوعیت کے اقتدار سے پیدا ہوئی ہیں۔ اسی اقتدار کی بدولت نفسِ آدمی کے جاہل حقوق چھینے گئے ہیں۔ اسی اقتدار کی بدولت انسان نے اپنی قابلیتوں کو تہذیب و تمدن کے ارتقار میں صرف کرنے کے بجائے تنزل و انحطاط کی کوششوں میں صرف کیا ہے۔ اسی اقتدار کی بدولت دنیا کے بہت سے بڑے آدمیوں نے خدا کے بندوں پر اپنی خدائی مسلط کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنی طاقتوں کو حتیٰ کے کبابے ظلم کی راہ میں استعمال کیا ہے۔ بلکہ اس کے اسلامی روزہ جس خودی کو نفس و جسم پر اقتدار دیتا ہے وہ مطلق العنان خودی نہیں ہے بلکہ خدا اور اس کے قانون کی اطاعت کرنے والی خودی ہے۔ وہ جاہل خودی نہیں ہے، ایسی خودی نہیں ہے جو آپ اپنی رہنما ہو، بلکہ ایسی خودی ہے جو خدا کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت، اعلم، کتابِ منیر کی رہنمائی میں چلنے والی ہے۔ وہ خدا کے دیے ہوئے نفس و جسم کو اپنی ^{مملکت}

نہیں سمجھتی کہ اس پر قابو پا کر اپنی صواب دیکھ کے مطابق جس طرح چلے حکمرانی کرے، بلکہ وہ اسے خدا کی امانت سمجھتی ہے اور اس امانت پر خدا کے منشاء کے مطابق حکومت کرتی ہے۔ ایک مومن متقی انسان جس کی خودی اللہ تعالیٰ کی رضا کے آگے سپردال بچی ہو، دنیا کی کسی چیز پر بھی غلظت نہیں کر سکتا، سچا کہ خود اپنے جسم حیوانی کا سختی نارے اور اپنے اس رفیق پر غلظت کرے جس کو اللہ نے مدتہ العمر کے لیے اس کا بہترین مددگار بنایا ہے۔ وہ اس کو اچھے سے اچھا کھلائے گا، اچھے سے اچھا پہنائے گا، بہتر سے بہتر مکان میں رکھے گا، زیادہ سے زیادہ آرام دے گا، اس کے ہر فطری جذبہ کی تسکین کا سامان فراہم کرے گا، نہ اس لیے کہ اس کا نفس یہ چاہتا ہے کہ ایسا کیا جائے، بلکہ اس لیے کہ اللہ نے اس کا حق مقرر کیا ہے اور اس حق کو ادا کرنا خدا کی خوشنودی کا موجب ہے۔ البتہ وہی نفس جب اچھا کھانے کے لیے حرام غذا یا حرام کی کمائی کا نقصان کرے گا، جب اچھے لباس، اچھی سواری، اچھے مکان کے لیے ایسی تدبیریں اختیار کرنے کا مطالبہ کرے گا جنہیں اللہ نے پسند نہیں کیا ہے، جب وہ اپنے جذبات شہوانی کی تسکین کے لیے ایسے دروازے کھولنا چاہے گا جنہیں اللہ نے بند کیا ہے، جب وہ اپنی آماجگاہی کے لیے ان فریضوں اور ان خدمتوں کو ادا کرنے سے جی چلے گا جو اللہ نے اس پر عائد کیے ہیں، اور جب وہ اُس جگہ اپنی خواہشات اور خود اپنی قربانی دینے سے رکنا چاہے گا جہاں اللہ کی رضا ہے کہ اسے اور اس کی خواہشوں کو قربان کر دیا جائے، وہاں مومن کی خودی اپنے حاکمانہ اختیارات کو پوری شدت کے ساتھ استعمال کرے گی اور جو اس کو کوششی و نافرمانی کے راستہ سے ہٹا کر مزبوراری کے سیدھے راستہ پر لے جائے گی۔ اسی چیز کی مشتی مومن لے اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے اپنے نفس پر صدقہ کرو، پھر اپنے اہل و عیال پر پھر دوسرے لوگوں پر۔ اپنے نفس پر صدقہ کرنا، یا اپنے اہل و عیال پر صدقہ کرنا ایک عجیب سا خیال معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اسلام کا انداز فکر کچھ ہے ہی دنیا سے فراموشی۔ یہاں جو شخص اپنی خواہش نفس سے کھاتا ہے وہ تو بس کھا بیٹا ہے مگر جو خدا کی طرف سے مقرر کیا ہو اس حق جگہ کو اپنی حلالی کی کمائی سے اپنے ہم کو نڈا دیتا ہے اور اپنے نبی پر حق کو کھاتا ہے وہ دراصل ایک ثواب کا کام کرتا ہے، ایک ایک قدم پر وہ اللہ کے اہل اجر کا مستحق ہے۔

سے رمضان میں کرائی جاتی ہے تاکہ دنیا کی اس امتحان گاہ میں نازک مواقع حیب پیش آئیں اور وہ روزہ وقت پیش آتے ہیں۔ تو اس کے ارادے کی باگیں اس مندرجہ ذیل حیوان کو تالاب میں رکھنے سے عاجز نہ رہ جائیں۔

انفرادی تربیت کا اجمالی نقشہ | یہاں تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا تعلق انفرادی تربیت سے تھا۔ اب روزے کے اجتماعی پہلو کی طرف توجہ کرنے سے پہلے ایک مجموعی نظر انفرادی تربیت کے اس پروگرام پر ڈالی جیسیے۔

جیسا کہ پہلے بیان کر چکا ہوں، اسلام کا اہل مقصد صاحبین کی ایسی جماعت بنانا ہے جو انسانی تمدن کو خیر و صلاح کی بنیادوں پر تعمیر کرے، مگر اس غرض کے لیے وہ صرف اجتماعی اصول وضع کرنے اور ان اصولوں کی بنیاد پر ایک نظام تمدن بنا دینے پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ ساتھ ساتھ اپنے جماعتی نظام کے لیے انفرادی کو تیار کرنے کا بھی انتظام کرتا ہے تاکہ جماعت (سوسائٹی) جن انفرادی مشعل ہوں ان میں کا ایک ایک شخص اپنے خیالات، اپنی سیرت، اور اپنے کردار کے لحاظ سے اس نظام کے ساتھ ہمیشہ از ہمیشہ موافقت رکھتا ہو، اور باغیانہ میلانات کے ساتھ مجبورانہ اطاعت کرنے کے بجائے اپنے نفس و روح کی پوری آمادگی، اپنے دل و دماغ کے مخلصانہ عقیدے، اور اپنی سیرت کی ذاتی قوت کے ساتھ اس کی پیروی کرے۔ اس اسکیم میں روزے کے رکن سے جو کام لیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ:-

۱- اس تربیت کے ذریعہ سے جماعت کے ہر فرد کو خداوند عالم کی حاکمیت کے مقابلہ میں اپنی خود مختاری سے عملاً دست بردار ہونے کے لیے تیار کیا جائے تاکہ وہ اپنی پوری زندگی کو الٰہی قانون کے تابع کرے۔

۲- ہر فرد کے ذہن میں خدا کے عالم الغیب والشمسۃ ہونے کا اور آخرت کی باز پرس کا عقیدہ عملی مشق و تمرین کے ذریعہ سے اس طرح جاگزیں کر دیا جائے کہ وہ خود اپنی شخصی ذمہ داری کے احساس

کی بنا پر نہ کہ کسی خارجی دباؤ کی وجہ سے، قانون الٰہی کی خفیہ اور علانیہ اطاعت کرنے لگے۔

۳- ہر فرد کے اندر بیرونی چھونک دی جائے کہ وہ ماسوائے اللہ کی بندگی و اطاعت سے اعتقاداً و عملاً منکر ہو جائے اور اس کی بندگی اللہ کے لیے اس طرح خالص ہو جائے کہ جس حکم یا جس قانون یا جس اقتدار کے لیے اللہ کی طرف سے کوئی سند نہ ہو، اُس کی اطاعت کے لیے فرد مومن کے نفس میں کوئی آمادگی بھی نہ ہو۔

۴- ہر فرد کے ذہن کی ایسی تربیت کی جائے کہ دنیا کی زندگی میں اس کا نقطہ نظر کلینتہ تبدیل ہو جائے۔ وہ مادہ پرست، ابن الوقت، بندہ مصلحت، اور دنیوی منافع کا غلام نہ ہو بلکہ اس کی نگاہ یہی اصلی قدر و قیمت اخلاقی و روحانی منافع کی ہو، وہ ہر حال میں خداوند عالم کے مقرر کیے ہوئے اصول حیات کی پابندی کرے، اور دنیا کے ماضی فوائد یا نقصانات سے بے پروا ہو کر اُس راستی پر قائم رہے جس میں خدا کی رضا ہے۔

۵- ہر فرد کی اخلاقی تربیت اس طور پر کی جائے کہ اسے اپنی خواہشات پر عملاً پورا اقتدار حاصل ہو، وہ اپنے نفس و جسم کی تمام قوتوں پر اتنا قابو رکھتا ہو کہ اپنے عقیدے اور علم و بصیرت کے مطابق ان سے کام لے سکے، اس میں صبر، تحمل، جفاکشی، توکل علی اللہ، اور ثابت قدمی و یکسوئی کی صفات پیدا ہو جائیں، اور اس کے لیے کثیر میں اتنی قوت آجائے کہ وہ خارجی ترغیبات اور اپنے نفس کے ناجائز میلانات کا مقابلہ کر سکے۔

یہی وہ مقاصد ہیں جن کے لیے اسلام نے رمضان کے روزے ہر شخص پر فرض کیے ہیں جو اسلام جماعت کا رکن ہو۔ کوئی مائل و بالغ فرد، خواہ وہ عورت ہو یا مرد، اس فریضہ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ یہ سفر اور بعض دوسرے شرعی منکرات کی بنا پر کوئی شخص اس فرض کو ادا نہ کر سکتا ہو تو اُس پر تصدایا فدیہ لازم ہے۔ ہر حال اسلام کے دائرے میں رہ کر کوئی انسان روزے کی فرضیت سے چھوڑنا نہیں چاہتا

اگرچہ ریلازم نہیں کہ روزے کی تربیت سے تمام افراد کے اندر وہ خصوصیات بدرجہہ قائم پیدا ہو جائیں جو اس سے پیدا کرنی مطلوب ہیں، کیونکہ ان کی پیدائش اور تکمیل کے لیے خود تربیت لینے والے ہیں ذاتی استعداد بھی ضروری ہے، لیکن بجائے خود اس نظام تربیت کی فطرت میں یہ خاصہ موجود ہے کہ اس سے یہ خصوصیات انسان میں پیدا ہوں، اور ان خصوصیات کو پیدا کرنے کے لیے اس سے بہتر، بلکہ اس کے سوا کوئی دوسرا نظام تربیت تجویز نہیں کیا جاسکتا، اگر کوئی شخص صداقت پسندی کی نظر سے دیکھے تو اسے اعتراف کرنا پڑے گا کہ دنیا میں اسلام کے سوا کوئی اجتماعی نظام ایسا نہیں ہے جس نے ان کو تیار کرنے کا اتنا وسیع و ہمہ گیر نظام کیا ہو کہ پوری کی پوری آبادیاں اس کے دائرے میں آکر خود بخود اخلاقی تربیت پاتی چلی جائیں۔

پھر اس کا مزید کمال یہ ہے کہ سوسائٹی کے حدود میں اگر کوئی فرد ایسا ناقص نکل آئے کہ اس اجتماعی نظام کا جز بن کر نہ رہ سکتا ہو، تو وہ خود بخود الگ ممتاز ہو جاتا ہے۔ جہاں اس نے بغیر نڈر مذہبی کے روزہ ترک کیا اور فرما ہی یہ بات سوسائٹی پر آشکارا ہو گئی کہ اس کے درمیان ایک منافی موجود ہے جو خدا کی حاکمیت تسلیم نہیں کرتا اور اپنی حیوانی جبلت کا بندہ بن کر رہنا چاہتا ہے۔ اس صریح علامت سے سوسائٹی کو اپنے جسم میں ایک سڑے ہوئے عضو کی موجودگی کا بروقت علم ہو جاتا ہے، اور اس کو موقع مل جاتا ہے کہ اپنے آپ کو اس کے زہر سے محفوظ کر لے۔ — کم از کم اسلام نے تو اپنی حد تک منافقین کی نشان دہی کا پورا انتظام کر دیا ہے اور مسلم سوسائٹی کے لیے اس بات کا موقع فراہم کر دیا ہے کہ وہ عین وقت پر ان کے وجود سے آگاہ ہو کر یا ان کی اصلاح کرے یا انہیں اپنے دائرے سے خارج کر دے۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ کوئی بے حس نام نہاد مسلم سوسائٹی اس موقع سے فائدہ نہ اٹھائے اور ایسے لوگوں کو نہ صرف اپنی گود میں پرورش کرے، بلکہ انہیں اپنے سر پر بٹھائے اور زندہ باد کے نعرے لگائے!

روزے کا اجتماعی پہلو نماز کی طرح روزہ بھی بجائے خود ایک انفرادی فعل ہے، لیکن جس طرح نماز کے ساتھ جماعت کی شرط لگا کر اس کو انفرادی سے اجتماعی فعل میں تبدیل کر دیا گیا ہے، اسی طرح روزے کو بھی ایک ذرا سی حکیمانہ تدبیر نے انفرادی عمل کے بجائے اجتماعی عمل بنا کر اس کے فوائد و منافع کو اتنا بڑھا دیا ہے کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ وہ تدبیریں اتنی سی ہے کہ روزے رکھنے کے لیے ایک خاص مہینہ مقرر کر دیا گیا۔ اگر شارع کے پیش نظر محض انفرادی اخلاقی تربیت ہوتی تو اس کے لیے یہ حکم دینا کافی تھا کہ مسلمان سال بھر کے دوران میں کبھی نہیں دن کے روزے رکھ لیا کرے۔ اس طرح وہ تمام مقاصد پورے ہو سکتے تھے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، بلکہ ضبط نفس کی مشق کے لیے یہ صورت زیادہ مناسب تھی کیونکہ اجتماعی عمل سے روزہ رکھنے میں جو آسانی افزا کے لیے پیدا ہو جاتی ہے وہ انفرادی عمل کی صورت میں نہ ہوتی اور شخص کو اپنا فرض ادا کرنے میں نسبتاً زیادہ شدت کے ساتھ اپنی قوت ارادی استعمال کرنی پڑتی۔ لیکن اسلام کا قانون جس حکیم نے بنایا ہے اس کی نگاہ میں انفرادی ایسی تیاری کسی کام کی نہیں ہے جس کے نتیجے میں ایک جماعت صالحہ وجود میں نہ آئے، اس لیے اس نے روزے کو محض ایک انفرادی عمل بنا ناپسند نہیں کیا بلکہ سال بھر میں ایک مہینہ روزے کے لیے مخصوص کر دیا تاکہ سب مسلمان بیک وقت روزہ رکھیں اور وہی نظام تربیت جس سے افراد تیار ہوں، ایک صالح اجتماعی نظام بنانے میں کبھی مددگار ہو جائے۔

اس حکیمانہ تدبیر سے روزے کے اخلاقی و روحانی منافع میں جو اضافہ ہوا ہے اس کی طرف یہاں چند مختصر اشارات کیے جاتے ہیں۔

تقویٰ کی فضا | اجتماعی عمل کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ اس سے ایک خاص قسم کی نفسیاتی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک شخص انفرادی طور پر کسی خاص ذہنی کیفیت کے تحت کوئی کام کر رہا ہو اور اس کے گرد و پیش دوسرے لوگوں میں نہ وہ ذہنی کیفیت ہو اور نہ وہ اس کام میں اس کے شریک ہوں،

تو وہ اپنے آپ کو اس ماحول میں بالکل اجنبی پائے گا، اس کی کیفیت ذہنی صرف اسی کی ذات تک محدود اور صرف اسی کی نفسی قوتوں پر منحصر رہے گی، اس کو نشوونما پانے کے لیے ماحول سے کوئی مدد نہ ملے گی، بلکہ ماحول کے مختلف اثرات اس کیفیت کو بڑھانے کے بجائے اٹا کھٹا دیں گے لیکن اگر وہی کیفیت پورے ماحول پر طاری ہو، اگر تمام لوگ ایک ہی خیال اور ایک ہی ذہنیت کے ماتحت ایک ہی عمل کر رہے ہوں، تو معاملہ برعکس ہوگا۔ اُس وقت ایک ایسی اجتماعی فضا بن جائے گی جس میں پوری جماعت پر وہی ایک کیفیت چھائی ہوئی ہوگی اور ہر فرد کی اندرونی کیفیت ماحول کی خارجی امانت سے غذائے کربے حد و حساب بڑھتی چلی جائے گی۔ ایک شخص اکیلا برہنہ ہوا اور گرد و پیش سب لوگ کپڑے پہنے ہوئے ہوں تو وہ کس قدر شرمائے گا، بے حیائی کی کتنی بڑی مقدار اس کو برہنہ ہونے کے لیے درکار ہوگی اور پھر سبھی ماحول کے مخالف اثرات سے اس کی شدید بے حیائی بھی کس طرح بار بار شکست کھائے گی؟ لیکن جہاں ایک امام میں سب ننگے ہوں وہاں شرم بے چاری کو چھینکنے کا موقع بھی نہ ملے گا اور شخص کی بے شرمی دوسروں کی بے شرمی سے مدد پارک افروز و رافروز ہوتی چلی جائے گی۔ ایک ایک سپاہی کا الگ الگ جنگ کرنا اور ممالک جنگ برداشت کرنا کس قدر مشکل ہے؟ مگر جہاں فوج کی فوج ایک ساتھ مارچ کر رہی ہو وہاں جذبات شہامت و صماست کا ایک طوفان امنڈ آتا ہے جس میں ہر سپاہی مستانہ وار بتنا چلا جاتا ہے نیکی ہو یا بدی، دونوں کی ترقی میں اجتماعی نفسیات کو غیر معمولی دخل حاصل ہے۔ جماعت مل کر بدی کرتی ہو تو فحش، بے حیائی اور بدکاری کے جذبات ابل پڑتے ہیں، اور جماعت مل کر نیکی کر رہی ہو تو پاکیزہ خیالات اور نیک جذبات کا سیلاب آجاتا ہے جس میں بدی بھی نیک بن جاتے ہیں خواہ تھوڑی دیر ہی کے لیے سہی۔

اجتماعی روزے کا مہینہ قرار دے کر رمضان سے شارع نے یہی کام لیا ہے جس طرح آپ

دیکھتے ہیں کہ ہر نگہ اپنا موسم آنے پر غریب بھلنا چھوڑتا ہے اور ہر طرف کھیتوں پر پھپھایا ہوا نظر آتا ہے، اسی طرح رمضان کا مہینہ گویا خیر و صلاح اور تقویٰ و طہارت کا موسم ہے جس میں بُرائیاں دہتی ہیں، نیکیاں پھلتی ہیں، پوری پوری آبادیوں پر غورِ خدا اور حُبِ خیر کی روح چھا جاتی ہے، اور ہر طرف پر سبز نگاری کی کھیتی سرسبز نظر آنے لگتی ہے۔ اس زمانہ میں گناہ کرنے ہوئے آدمی کو شرم آتی ہے، شخص خود گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، اور اپنے کسی دوسرے بھائی کو گناہ کرتے دیکھ کر اسے شرم دلانا ہے۔ ہر ایک کے دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ کچھ بھلائی کا کام کرے، کسی غریب کو کھانا کھلائے، کسی ننگے کو کپڑا پہنائے، کسی مصیبت زدہ کی مدد کرے، کہیں کوئی نیک کام ہو رہا ہو تو اس میں حصہ لے کہیں کوئی بدی ہو رہی ہو تو اسے روکے۔ اس وقت لوگوں کے دل نرم ہو جاتے ہیں، ظلم سے ہٹ کر رُک جاتے ہیں، بُرائی سے نفرت اور بھلائی سے رغبت پیدا ہو جاتی ہے، توبہ اور خشیت و انابت کی طرف طبیعتیں مائل ہوتی ہیں، نیک بہت نیک ہو جاتے ہیں، اور بدوں کی بدی اگر نیکی میں تبدیل نہیں ہوتی تب بھی اس جلاب سے اس کا اچھا خاصہ تہ تیغ ضرور ہو جاتا ہے۔ غرض اس زبردست حکیمانہ تدبیر سے شارع نے ایسا انتظام کر دیا ہے کہ ہر سال ایک مہینہ کے لیے پوری اسلامی آبادی کی صفائی ہوتی رہے، اس کو اور ہال کیا جاتا ہے، اس کی کایا لپی جلتے اور اس میں مجموعی حیثیت سے روح اسلامی کو از سر نو زندہ کر دیا جائے۔ اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اذا دخل رمضان فتحت ابواب الجنة وغلقت ابواب جهنم وسلسلت الشياطين -

جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین باندھ دیئے جاتے ہیں۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے:-

اذا كان اول ليلة من شهر رمضان

جب رمضان کی پہلی تاریخ آتی ہے تو شیاطین او

صفحات الشیاطین و مصاداة الجن
و غلقت البواب الناس فلم یفتم
منها باب و فتحت البواب الجنة
فلم یغلق منها باب وینادی
مناد یا یا عنی الخیر اقبل و یا
باعی الشر اقصر۔

سرکش جن باندھ دیے جاتے ہیں، روزِ ریح کی طرف جانے کے
دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، اُن میں سے کوئی دروازہ کھلا
نہیں رہتا۔ اور جنت کی طرف جانے کے دروازے کھول دیے
جاتے ہیں، اُن میں سے کوئی دروازہ بند نہیں رہتا۔ اس وقت
پکارنے والا پکارتا ہے اے بھلائی کے طالب اگے بڑھ اور لے
برائی کے خواہش مند ٹھہر جا۔

سکتے کے مرض کا آخری امتحان اس طرح کیا جاتا ہے کہ اس کی ناک کے پاس آئینہ رکھتے ہیں۔
اگر آئینہ کچھ دھندلاہٹ سی پیدا ہو تو سمجھتے ہیں کہ ابھی جان باقی ہے، ورنہ اس کی زندگی کی آخری
امید بھی منقطع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کی کسی سستی کا نہیں امتحان لینا ہوتا اسے رمضان
کے زمانہ میں دیکھو۔ اگر اس مہینہ میں ان کے اندر کچھ تقویٰ، کچھ عرف خدا، کچھ نیکی کے جذبہ کا اظہار نظر
آئے تو سمجھو ابھی زندہ ہیں۔ اور اگر اس مہینہ میں بھی نیکی کا بازار سرد ہو، فسق و فجور کے آثار نمایاں ہوں،
اور اسلامی جس مُردہ نظر آئے تو اناشد و انا ابیر راجعون پڑھ لو۔ اس کے بعد زندگی کا کوئی سانس
مسلمان کے لیے مقدر نہیں ہے۔

یہ یزید ہے امتحان کا اسلامی معیار مگر اب س جانک کے لیے کچھ دوسرے معیار کیا ہو گئے ہیں۔ مسلمانوں کی کوئی آبادی غلام ہزاروں
امتحان یوں لیا جاتا ہے کہ تو می مصلد (یعنی قوم کے معاشی و سیاسی مصلد) کے لیے ان میں اتنی تزیب ہے اس مصلد کی حفاظت
کے لیے وہ کہاں تک مل کر چھینتے ہیں، اور عیسوں میں سلام اور اسلامی تہذیب اسلامی قومیت کا نام کس جوش و خروش سے لیا
جاتا ہے۔ اور اگر وہ آبادی آزاد ہزاروں کی زندگی کا امتحان لینے کے لیے یہ کیا جاتا ہے کہ اس نے ہوائی جہاز کتنے میا کیے، زمینیں
کتنی بنائیں، مدرسے اور کارخانے کس قدر قائم کیے، اپنی عورتوں کو بے حیائی میں کہاں تک حلاق کیا، اور تہذیب،
تمدن اور معاشرت میں یورپ سے لگا کھانے کی کہاں تک کامیاب کوشش کی۔ ان آزمائشوں میں اگر کوئی آبادی
پوری اتر گئی تو کہا جاتا ہے کہ الحمد للہ اسلام زندہ ہے اور میں ہوتا ہے جاہد سپاہ کارواں ہمارا“

جماعتی احساس | اجتماعی عمل کا دوسرا اہم خاتمہ یہ ہے کہ اس سے لوگوں میں فطری اور اصلی وحدت پیدا ہوتی ہے۔ نسل یا زبان یا مذہب یا سماجی اعزاز کا اشتراک فطری قومیت پیدا نہیں کرتا آدمی کا دل صرف اسی سے ملتا ہے جو خیالات اور عمل میں اُس سے ملتا ہو۔ یہ اصلی رشتہ ہے جو دو آدمیوں کو ایک دوسرے سے بانہ وصل ہے۔ اور جس کے ساتھ خیالات اور عمل میں اتفاق نہ ہو اس سے کبھی دل نہیں ملتا خواہ دونوں ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہوں جب کوئی شخص اپنے گروہ و پیش کے لوگوں کو ذہنیت اور عمل میں اپنے سے مختلف پاتا ہے تو صریح طور پر اپنے آپ کو ان کے درمیان اجنبی محسوس کرتا ہے۔ مگر جب بہت سے لوگ مل کر ایک ہی ذہنی کیفیت کے ساتھ ایک ہی عمل کرتے ہیں تو ان میں باہم یکسانیت، رفاقت، ایک جہتی اور برادری کے گہرے تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان کے درمیان کوئی اجنبیت باقی نہیں رہتی۔ قلب و روح کا اشتراک اور عمل کا اتفاق ان کو آپس میں جوڑ کر ایک کر دیتا ہے۔

خواہ نیکی ہو یا بدی، دونوں صورتوں میں اجتماعی نفسیات اسی طرح کام کرتے ہیں۔ چوروں میں چوری کا اشتراک اور شرابیوں میں مے نوشی کا اشتراک بھی یونہی برادری پیدا کرتا ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ بدی کے راستہ میں افراد کی نفسانیت کا دخل رہتا ہے جس کا فطری میلان فرد کو کھپا کر الگ کر دینے کی طرف ہے، اس لیے ایسے راستوں میں برادری کبھی بے آلائش اور مستحکم نہیں ہوتی۔ بخلاف اس کے نیکی کے راستہ میں نفسانیت دبتی ہے، انسانی روح کو تحقیقی تسکین ملتی ہے، اور پاک جذبات کے ساتھ آدمی اس راستہ پر چلتا ہے، اس لیے نیک خیالات اور نیک عمل کا اشتراک وہ بہترین رشتہ اخوت پیدا کرتا ہے جس سے زیادہ مستحکم اجتماعی رابطہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

نماز باجماعت کی طرح رمضان کے اجتماعی روزے مسلمانوں میں اسی نوع کی برادری پیدا کرتے ہیں۔ تمام لوگوں کو مل کر ایک خدا کی رضا چاہنا، اسی کی رضا کے لیے بھوک پیاس کی تکلیف

اٹھانا، اسی کے خوف سے بُرائیوں کو چھوڑنا اور ایک دوسرے کو بُرائیوں سے روکنا، اسی کی محبت میں بھلائیوں کی طرف دوڑنا اور ایک دوسرے کو بھلائی پر اگساٹنا، یہ چیز ان میں بہترین قسم کی وحدت، صحیح ترین فطری قومیت، پاکیزہ ترین اجتماعی ذہنیت، اور ایسی ہمدردی و رفاقت پیدا کرتی ہے جو ہر کھوٹ سے خالی ہے۔

امدادِ باہمی کی روح | اس اجتماعی عبادت کا تیسرا زبردست کام یہ ہے کہ یہ عارضی طور پر تمام لوگوں کو ایک سطح پر لے آتی ہے۔ اگرچہ امیرو امیر ہی رہتا ہے اور غریب، غریب لیکن روزہ چند گھنٹوں کے لیے امیر پر بھی وہ کیفیت طاری کر دیتا ہے جو اس کے فاقہ کش بھائی پر گذرتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کی مصیبت کو حقیقی طور پر محسوس کرتا ہے، اور خدا کی رضا چاہنے کا جذبہ اُسے اپنے غریب بھائیوں کی مدد کرنے پر اگساتا ہے۔ بظاہر یہ ایک بڑی چھوٹی سی بات معلوم ہوتی ہے، مگر اس کے اخلاقی و تمدنی فوائد بے شمار ہیں۔ جس قوم کے امیروں میں غریبوں کی تکالیف کا احساس اور ان کی عملی ہمدردی کا جذبہ ہو، اور جہاں صرف اداروں ہی کو خیرات نہ دی جاتی ہو بلکہ فرداً فرداً بھی حاجت مندوں کو تلاش کر کے مدد پہنچائی جاتی ہو، وہاں نہ صرف یہ کہ قوم کے کمزور حصے تباہ ہونے سے محفوظ رہتے ہیں، نہ صرف یہ کہ اجتماعی فلاح برقرار رہتی ہے، بلکہ غربت اور امارت میں حسد کے بجائے محبت کا ہتھکڑا لگاری اور احسان مندی کا تعلق قائم ہوتا ہے اور وہ طبقاتی جنگ کبھی رونما نہیں ہو سکتی جو ان قوموں میں برپا ہوتی ہے جن کے مالدار لوگ جلتے ہی نہیں کہ فقر و فاقہ کیا چیز ہوتی ہے، جو قحط کے زمانہ میں تعجب سے پوچھتے ہیں کہ لوگ بھوکے کیوں مر رہے ہیں، انہیں روٹی نہیں ملتی تو یہ کیسے کیوں نہیں کھاتے؟

یہ اسلام کا دوسرا عملی رکن ہے جس کے ذریعہ سے اسلام اپنے افراد کو فرداً فرداً ایک خاص قسم کی اخلاقی تربیت دے کر تیار کرتا ہے اور پھر انہیں جوڑ کر ایک خاص طرز کی جماعت بناتا ہے۔ اسلام کا آخری مقصد جس مدینیت صالحہ اور حکومت النبیہ کو وجود میں لانا ہے اس کے اجراء کے ترکیبی اس طرح نماز اور روزے کے ذریعہ سے پھیل بنا کر تیار کیے جاتے ہیں۔ اس کے سپاھی اور جنرل، اُس کے اہل کار، عمدہ دار اور وزراء، اُس کے معلم اور پروفیسر، اُس کے قاضی اور مفتی، اُس کے تاجر، مزدور، کارخانہ دار اور کسان، اُس کے رائے دہندے، نمائندے اور شہری، سب اس تربیت کے بعد کہیں اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کے اجتماع سے وہ صالح تمدنی و سیاسی نظام بن سکے جسے "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ محض ان کلمہ افراد کو لے کر خلافت النبیہ قائم کرنے کے لیے دوڑ جانا ایسی خام خیالی و خام کاری ہے جس سے اللہ اور اس کا رسول برہی تیا بھی اس انفرادی و اجتماعی تربیت کا پروگرام ختم نہیں ہوا۔ اس کے ساتھ ایک میرا عملی رکن زکوٰۃ بھی ہے جسے ہم آگے بیان کریں گے۔

(باقی)

اطلاع

گوجرانوالہ شہر میں ترجمان القرآن کی ایجنسی حسب ذیل پتہ پر قائم کی گئی ہے جہاں سے اس ادارہ کی تمام مطبوعات ہر وقت مل سکتی ہیں۔

"سید لال شاہ صاحب - برانچ پوسٹماستر - نزد اسلامیہ ہائی سکول گوجرانوالہ"

مینجر رسالہ ترجمان القرآن لاہور